© rasailojaraid.com

عالم آپ کے والدماجد کا تھا۔حضرت شاہ لدھا بیان کرتے ہیں کہ ایک شب آنجناب قطب الاولیاء کے عرس کی مجلس میں تشریف فرما تھے مجھ سے کہا کہ دوات وقلم اور کاغذ لاؤ چنانچہ میں نے قلم و دوات اور کاغذ پیش خدمت کیا، اسی وقت بغیر تامل کے دوتین خوبصورت غزلیں اس کاغذ پر قلم مشکیں سے رقم کیں ۔(انیس المحققین صفحہ ۲۷ مخطوطہ نمبر ۲۱/۵ہم حبیب گنج کلکشن مسلم یونیورسٹی علی گڈھ) ایک مرتبہ ایک امیر نے سلطان الاولیاء کو دعوت پر مدعو کیا، حضرت نے قلم اٹھایا اور فی البدیہہ ایک رباعی لکھی ؎

ما زاہد روزہ دار چو خوار نیئم ۔۔۔۔ در گوشہ نشستہ رو بدیوار نیئم
چیزی کہ زحق رسد بصد شکر خوریم ۔۔۔۔ پرہیز چرا کنیم بیمار نیئم [1]

ایک مرتبہ حضرت سلطان الاولیاء بلگرام تشریف لائے، جمعہ کے روز محلہ میدان پورہ کی مسجد میں نماز ادا کرنے کے لئے آئے، حافظ سید ضیاء اللہ بلگرامی جو حضرت سید محمد کے شاگردوں میں تھے آپ سے بے پناہ عقیدت رکھتے تھے، چنانچہ یہ بیت اس موقع پر آنجناب کی نسبت سے پیش کی۔

کالپی مکہ بلگرام یمن ؎ اے تو احمد منم اویس قرن

انیس المحققین ہی میں آزاد بلگرامی آپ کی کرامت سے متعلق ایک واقعہ نقل کرتے ہیں، ایک مرتبہ کہ جب حضرت سلطان الاولیاء آگرہ سے اجمیر شریف مرقد منورہ حضرت خواجہ چشتی علیہ الرحمۃ کی زیارت کے خیال سے وارد وارد ہوئے، آپ نے حسب معمول سماع و سرود کی محفلیں گرم کیں، ان دنوں عالمگیر کی جانب سے سرود کیلئے سخت ممانعت تھی، نقشبندیہ سلسلہ کے مشائخین میں سے کسی ایک نے جو سلطان کے مصاحبوں میں تھا، سلطان تک یہ خبر پہونچادی، بادشاہ نے ایک شخص کو منع کرنے کے لئے روانہ کیا، اس شخص کے پہونچنے پر سلطان الاولیاء نے سرود موقوف کردیا اور فرمایا کہ مجھے یہ قبول نہیں اور نعرہ لگایا وہ شخص بے ہوش ہوکر زمین پر گر گیا اور سلطان الاولیاء بدستور سماع و سرود میں مشغول ہوگئے، جب اسے غش سے افاقہ ہوا وہ بادشاہ کی خدمت میں حاضر ہوا اور تمام سرگذشت اول تا آخر بیان کی، بادشاہ نے دوبارہ محمد امین خاں ایرانی کو تعین کیا، چنانچہ محمد امین خان نے مجلس سلطان الاولیاء کی جانب توجہ کی، پہلے شخص کی طرح یہ بھی سلطان الاولیاء کے نعرہ پر بیہوش ہوگئے۔ اور زمین پر

---

[1] انیس المحققین قلمی ذخیرہ حبیب گنج مسلم یونیورسٹی علی گڈھ شمارہ نمبر ۲۱/۵ہم

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

تڑپنے لگے، اسی وقت یہ خبر بادشاہ تک پہونچی اور بعد افاقت جب محمد امین خاں بادشاہ کی خدمت میں حاضر ہوا بادشاہ مسکرایا اور پوچھا کہ تم نے سیّدوں کے کرامات دیکھے؟ جواب دیا جی ہاں جہاں پناہ دیکھا، کرامتِ سیّد برحق ہے۔ بادشاہ دوبارہ مسکرایا اور اس نے محمد امین خاں کو سلطان الاولیاء کا معتقد بنا لیا، اسی طرح کے اور بھی بہت سے واقعات ماثر الکرام اور انیس المحققین میں آزاد نے نقل کئے ہیں۔

میری نگاہ سے دیوان کاشفی کے دو نسخے گذرے ہیں، ایک رضا اسٹیٹ لائبریری رام پور میں اور دوسرا حبیب گنج کلکشن مسلم یونیورسٹی علی گڈھ میں، رام پور کے نسخہ میں صرف غزلیات ہیں جن کی تعداد ۳۳۸ ہے، حبیب گنج کلکشن کے نسخہ میں کاشفی کے قصائد بھی موجود ہیں اور غزلیات کی تعداد محض ۳۰ ہے، آزاد بلگرامی انیس المحققین میں ایک مقام پر لکھتے ہیں:۔

"دیوان فارسی آنجناب از قصیدہ و غزل و رباعی مرتب است"

کاشفی کی رباعیات دونوں میں سے کسی نسخہ میں بھی نہیں ہیں، اس دیوان میں کئی اشعار ایسے ہیں جن سے اس بات کی تصدیق ہوتی ہے کہ یہ حضرت سلطان الاولیاء کی ہی تصنیف ہے۔ چند مقطعے ملاحظہ فرمایئے!

بود نامِ مرا احمد و در شیوهٔ اشعار ؛ افتادہ ز حق کاشفی آخر لقبِ ما
در کالپی ز ہی زن گر نام کاشفی شد ؛ احمد ترا ازیں بد دیگر لقب نباشد
باشد علم ما بجہاں سید احمد ؛ افتادہ ولے کاشفی از حق لقبِ ما

کاشفی اپنے والد ماجد قطب الاولیاء کے ہی مرید تھے جس کی طرف آپ نے اپنے ایک قصیدہ میں اشارہ بھی کیا ہے ؎ :

مرا نسبتے بس بسیّد محمد ؛ کہ روشن شد از وے ہمہ خاندانم
مرا گرچہ فرزند خوانند لیکن ؛ سگِ آستانم سگِ آستانم

شاعر کی انکساری کا ایک طرف یہ عالم ہے وہ کہتا ہے کہ شعر کہنا اسے بالکل نہیں آتا لیکن دوسری طرف کچھ ایسی خود اعتمادی ہے کہ وہ شعراءِ معاصرین میں خود کو سب سے بہتر بھی سمجھتا ہے ؎

سخن گرچہ گفتن ندانم ندانم ؛ ولے بہتر از شاعرانِ زمانم
اگر ہندیم رشکِ اہلِ عراقم ؛ اگر خاکیم نورِ [illegible] زمانم

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

اور جب خودستائی پر اتر پڑتا ہے تو اس کی زبان پر اس طرح کے اشعار بھی بے ساختہ آجاتے ہیں ؎

چو برق است طبعم چو ابر است کلکم ‌ ‌ چو دُرّست نظمم چو بادست زبانم
ضعیفم ولے ایستادہ بہ میداں ‌ ‌ بگویم کہ من رستمِ داستانم
۱؎ بخواند جوہری یک شعر کشفی گر ز دیوانش ‌ ‌ کند از دل نثارِ نظمِ او نظمِ لآلی را
ہر کسے حرف زند لیک بحق ‌ ‌ کاشفی شعر تو خوش مضمون است

کاشفی کی زیادہ تر غزلیں رومانی ہیں شاعر کے لفظوں میں اس کا دل کتب خانۂ عشق کی صندوق ہر ایک شعر ملاحظہ فرمائیے ؎

جز نسخۂ اخلاص مجو کاشفی آخر ٭ زیں سینہ کہ صندوق کتب خانۂ عشق است

لیکن تصوف اور فلسفہ کی بھی سحر کاریاں مختلف مقامات پر ہوئی ہیں، دیوان کی پہلی غزل کے چند اشعار دیکھئے ؎

از ہر طرف بگوشِ من آید ہمیں ندا ٭ واللہ ہر آنچہ می نگری نیست جز خدا
اشکال مختلف کہ مشاہد ہمی شوند ٭ یک ذات واحدست برنگِ جدا جدا
ہر لحظہ او بطرزِ دگر جلوہ می کند ٭ گہ دل بنا رمی برد و گاہ از ادا

دیوان سے چند غزلیں یہاں نقل کی جاتی ہیں، انھیں نمائندہ تو نہیں کہا جاسکتا پھر بھی کوشش کی گئی ہے کہ قارئین ان کے آئینہ میں کاشفی کی غزل گوئی سے متعلق صحیح رائے قائم کرسکیں ؎

ہر کسے بادہ کش و طالبِ جام است اینجا ‌ ‌ ہر کہ بسیار کشد مرد تمام است اینجا
ما ہمہ مقتدیاں روی زمے چوں نامم ‌ ‌ کہ مغاں بر سرِ سجادہ امام است اینجا
سیری از شربت وصلو نگردد حاصل ‌ ‌ کہ مرا ہر بن مو تشنہ چو کام است اینجا
فیض مخصوص بوقتے نبود در رہِ عشق ‌ ‌ نیست در وقت سحر آنچہ بشام است اینجا

۱؎ یہ شعر رام پور والے نسخہ میں اس طرح ہے ؎

چو شعرِ کاشفی خواند کسے بر طبع معنی رس ‌ ‌ سزد سازد نثاری نظمِ او نظمِ لآلی را

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

عادتِ بادہ کشاں است دگر گوں زاہد — زانکہ شوال بہ از ماہِ صیام است اینجا
ہر کہ گیسوئے ترا دید دریں دام افتاد — ماکہ باشیم کہ سیمرغ بدام است اینجا

کاشفی خواست کہ تا توبہ کند پیرِ مغاں
گفت خاموش زمئے توبہ حرام است اینجا

ساقیا جام لبالب زمئے ناب بیار — آفتابِ قدحش در شبِ مہتاب بیار
حسنِ جاناں کہ شدہ موسیٰ ازدپس بے تاب — دیدہ خواہی تو برو دیدۂ من تاب بیار
مطرب امشب زدف و چنگ و رباب و بربط — بہرِ عیشِ دلِ من ایں ہمہ اسباب بیار
نیم بسمل بر عشاق ز تیغ نگہ اند — تشنہ کانرا زمژہ خنجرِ تر آب بیار
سنگِ محراب دہد سختیِ دل اے زاہد — زود از ابروِ جانانہ تو محراب بیار
قصۂ عشق کہ لذت بمذاقم دارد — نزدِ من بہرِ خدا باز باطناب بیار

کاشفی خواند یک افسانہ زوصلِ دلدار
تحفۂ خواب باین دیدۂ بے خواب بیار

ماجرعہ کش زساغر و پیمانۂ خودیم — یعنی کہ ہست شیوۂ مستانۂ خودیم
ناآشنا بجادو جانانہ گشتہ ایم — تا آشنا بمحرم و بیگانۂ خودیم
گہ گریہ می کنم وگہے خندہ می زنم — حیراں ازیں طبیعتِ طفلانۂ خودیم
بامن مگو حکایتِ مجنوں کہ شام و صبح — حیرت زدہ زقصہ و افسانۂ خودیم

اے کاشفی بکعبہ چرا رُو کنیم ما
محظوظ چوں بطوفِ صنم خانۂ خودیم

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

غیر از سماع و رقص مرا ہیچ کار نیست / معذور دار انکہ مرا اختیار نیست
در ہر چہ داشت جلوۂ جانانہ را صنم / مارا ز گفتگوی کساں ہیچ کار نیست
از بہرِ طعنہ ہر طرفم فوج فوج ہست / شخصے کہ حرفِ غم نشود در دیار نیست
تو از ہجوم جاتے نتوانے قدم زدن / با عاشقاں مگو کہ کسے جاں سپار نیست
حرفے کہ اتفاق بزرگاں برویت این / جز دوست ہیچ کس بجہاں آشکار نیست
صد دل بہ بستہ بر سرِ فتراک می رسد / باری مرا کہ گفت کہ مردم شکار نیست

در کعبہ و کنشت بہر جا کہ می رود
در چشم کاشفی بخدا غیر یار نیست

غزلیات کے علاوہ کاشفی نے قصیدے بھی کہے ہیں جیسا کہ پہلے ذکر کیا جا چکا ہے، قصیدوں میں کاشفی کا اپنا جداگانہ رنگ ہے، زبان کی شیرینی اور لطافتِ الفاظ کی نشست و برخاست کاشفی کا حصہ نظر آتا ہے۔ کاشفی کے قصائد میں جیسی روانی اور موسیقی پائی جاتی ہے اور جتنے پیارے انداز سے حقائق کی ترجمانی کی گئی ہے وہ اس کی زبان دانی اور سحر بیانی کا ایک خوبصورت ترین نمونہ ہے۔ میرے خیال میں کاشفی نے غزلیں اتنی کامیابی کے ساتھ نہیں کہی ہیں جتنی کامیابی سے قصائد کہتے ہوئے نظر آتے ہیں، باری تعالیٰ کی حمد میں ان کے قصیدہ کے چند اشعار ملاحظہ فرمایئے :-

یا ازلی الکرم یا ابدی العطا / عنک زوال السقم منک وجود الشفا
ینتظر قلبی الیک یفرح روحی لدیک / انت لنا مبدأ انت لنا منتہا
بینشِ اہلِ نظر دانشِ اہلِ ہنر / از اثرِ فضلِ تو یافتہ نور و ذکا
تا نکند تربیت حکمتِ تو در ازل / فکرِ فلاطوں کدام عقلِ ارسطو کجا
خاکِ درِ پاکِ تو سرمۂ اہلِ نظر / ای گل ولای رہت غازۂ اہلِ صفا
گر نہ بود یادِ تو صیقلِ دلہای ما / دیدہ نیابد فروغ سینہ نیابد جلا
این ہمہ ظاہر زما از اثرِ فیضِ تست / ورنہ ریاضت کجا کشف و کرامت کجا

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

کس نبود پا برہ گر نبود فضلِ تو　　راہبرِ انبیاء دستِ کشِ اولیاء

عشق تو در جانِ من شوق ترا دل وطن　　بر تو فدا جان و تن نیست دگر مدعا

مسجد و بتخانہ را کس نہ تمیزے نمود　　ہست بیکساں ظہور دیدۂ خود بر کشا

حسنِ ازل را ظہور ہست بہر جا مدام　　ہاں دلِ بیدار کو دیدۂ بینا کجا

احمدِ مرسل کہ ہست باعثِ کون و مکاں　　نقشِ نگینِ رسل تاجِ سرِ انبیاء

محرمِ اسرارِ غیب ضامنِ روزِ حسیب　　سیدِ خیر البشر سرورِ صدر الورا

صاحبِ آخر زماں پیش روِ سابقاں　　راہبرِ انس و جاں علم دہِ ابتدا

فخرِ بنی آدم ست روحِ بنی ہاشم ست　　زیب ہمہ عالم ست بر ہمہ را مقتدا

عیسیٰ از و جاں طلب موسیٰ از و دیدہ خواہ　　خضر از و آب جو آبِ رخِ انبیاء

عالمِ امی لقب دادہ ہمہ را ادب　　حرف نزاندہ بلب صاحبِ تعلیمہا

گوہرِ تاجِ شہاں افسرِ پیغمبراں　　سرورِ ہر دو جہاں صفدرِ روزِ وغا

نعتِ نبی جانِ من مدحتش ایمانِ من　　ہست ہمیں مذہبم نیست دگر مدعا

گرچہ گنہ کردہ ام وز الم افسردہ ام　　نامِ نبی بردہ ام کا بہ نبخشد خدا

نعتِ نبیؐ الورا مدحتِ اصحابِ او　　راست نیاید زکس ختم کنم بر دعا

تا کہ دریں عالم ست امرِ الٰہی رواں　　تا کہ بود در جہاں دینِ پیمبر بپا

شاملِ حالِ دلم یا دِ خدا یا مدام

لطفِ حبیبِ خدا مہرِ ہمہ اولیاء

کاشغی کا تعلق چشتیہ سلسلے سے تھا، اور موصوف کو خواجہ چشتی علیہ الرحمۃ سے بے پناہ عقیدت تھی۔ آپ زیارتِ مرقدِ منورہ کے لئے اجمیر شریف بھی تشریف لے گئے تھے، روضۂ خواجہ معین الدین چشتی سے اس قدر متاثر ہوئے کہ عقائد کا دریا پھوٹ پڑا اور زبانِ مبارکہ اجمیر کا قصیدہ پڑھتی ہوئی نظر آئی، آزاد بلگرامی نے اجمیر پر موصوف کے قصیدہ کی تعریف کی ہے چند ابیات پیشِ خدمت ہیں

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

اے خوشا شہر و سوادِ اجمیر — کہ برد غم ہمہ یادِ اجمیر

نہ ہد لالہ بداغِ حسرت — کہ بروید ز سوادِ اجمیر

رشکِ صد حور و ملائک باشد — مردمِ نیک نہادِ اجمیر

گبرو پندار نہ گردد پیدا — درد خیز است بلادِ اجمیر

شجرہ طیّب و گلزار بہشت — رفتہ از یاد ز یادِ اجمیر

بخدا گاہ نہ گردد غمگین — اے فلک خاطرِ شادِ اجمیر

کلک من زاں شدہ مقبول کہ کرد — سرمہ در چشم ز مدادِ اجمیر

جنگ با نفس و با شیطاں باشد — ہست زیں گونہ جہادِ اجمیر

شکر صد شکر پذیرفت مرا — خواجۂ نیک نہادِ اجمیر

کاشفی نے جیسا کہ صوفیہ کے شایانِ شان بھی تھا ہندی زبان میں بھی شاعری کی ہے۔ اشعارِ ہندوی کے نام سے کاشفی کے ہندی اشعار مسلم یونیورسٹی کے کتب خانہ میں موجود ہیں، اسے ایک مختصر سا رسالہ کہا جاسکتا ہے جو کہ شاعر نے راجہ مکرند کے پاس لکھ کر روانہ کیا تھا، اور جس سے یہ نسخہ نقل کیا گیا ہے، نسخہ کی ابتدا میں دو صفحوں کا ایک پیش لفظ بھی ہے جو غالباً کاتب نے لکھا ہے، یہ نسخہ فارسی رسم الخط میں ہے اور پیش لفظ فارسی زبان میں، کاتب نے اس رسالہ کو نقل کرنے کا مقصد بتاتے ہوئے لکھا ہے کہ یہ حق کی تلاش میں بھٹکنے والوں کے لئے مفید ثابت ہوگا۔ کاتب کی نگاہ میں یہ تصنیف جو کہ فارسی رسم الخط میں ہے اور ہندی زبان میں لکھی گئی ہے عربی کے خیالات کی ترجمانی کرتی ہے۔ اور اس کا یہ خیال درست بھی ہے، ہندی کے مشہور شاعر شاہ برکت اللہ پیمی مصنف پیم پرکاش کاشفی کے شاگرد تھے اور اس کا اعتراف خود پیمی نے کیا ہے۔

سِکھ مُکھ تا کو برنئے جا میں ھرِ کو رنگ
سو چھپ پائی جات ہے احمد محمد سنگ ((۱۲۸))
پُورَد سُورَو پیم مگ ناگُرو کے ہم داس
نگر کابلی ٹھانوُے پوجوت مَن کی آس ((۱۲۹))

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

پیم پرکاش مرتبہ ڈاکٹر شاستری کاشفی ہندی میں احمد تخلص کرتے تھے، موصوف کے چند ہندی دوھے بھی ملاحظہ فرمائیے۔ ؎

کرنا کیرتِ کیجئے کیسے کو مَت سنوار
'لا احسی' سادھن کہو دیکھو منھ بچار

جو کچھ بھئی بھلی بھئی بھلی بھلی ٹھہراو
احمد آپنھ مانھ رہ ناکنھِ جاؤ نہ آو

جو رسنا سب روم ہوئی کیرتِ کری ندان
یہ رس لینھِ نہ کیسہوں احمد نہچے جان

اگت کتھا کہیئے کہا جاکے رنگ نہ روپ
تاکو نین دکھیئے روپ سروپ انوپ

آپُن جا ترک روپ دھررٹت رہت نت پیو
آپُن بوند سوانت ہوئی راکھت جن کو جیو

پاتی سب کو اولکھت چھانی لکھت نہ کوئی
با بھاتی چھاتی لکھت پرکٹ پریم پد ہوئی

کر کانپے لیکھن ڈِگے انگ انگ اکلائے
سُدھ آئے چھاتی پھٹے پاتی لکھی نہ جائے

رٹ لاگی رسنا یہی بھی جپت ہے پران
بیگ ملاوہو کنت کوں بدھنا موہ ندان

جب تیں بچھرے پران پت برہ دیت دکھ دند
چکھ مانو مدھ کر بھیئے چاہت نت مکرند

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

دیارِ غرب کے مشاہدات و تاثرات

(۷)

از سعید احمد اکبر آبادی

یہاں تعلیم کا کیا اہتمام و انتظام اور اس کی عظمت و وقعت ہے اس کا اندازہ اس سے ہوگا کہ پورے کناڈا کی آبادی لے دے کے کل اٹھارہ ملیون ہے اور مونٹریل اس ملک کا دارالحکومت نہیں بلکہ صرف ایک شہر ہے جو خوبصورت اور آراستہ ہونے کے علاوہ صنعت و حرفت اور تجارت کا مرکز بھی ہے۔ لیکن اس کے باوجود اس شہر میں تین اور اس سے بالکل متصل ایک اور اس طرح چند میل کے رقبہ میں ہی چار یونیورسٹیاں ہیں، ان کا مختصر تعارف حسب ذیل ہے :-

مونٹریل یونیورسٹی | لاول یونیورسٹی جس کا ذکر آگے آرہا ہے اُس کی ایک شاخ کی حیثیت سے اس کا آغاز ۱۸۷۶ء میں ہوا تھا مگر ترقی کرتے کرتے ۱۹۲۰ء میں یہ مستقل یونیورسٹی بن گئی، ہمارے ملک میں شاید یہ تعجب سے سنا جائے کہ امریکہ اور یورپ کی کم و بیش سب ہی یونیورسٹیوں کا مذہب سے بہت گہرا تعلق رہا ہے اور اس بنا پر یونیورسٹی کے اندرونی اور انتظامی معاملات میں، سب سے زیادہ مؤثر شخصیت پوپ کی رہی ہے۔ چنانچہ اس یونیورسٹی سے متعلق بھی ۱۹۱۹ء میں پوپ کا ایک خاص فرمان صادر ہوا جس میں اس یونیورسٹی کے لئے خاص قسم کی رعایتوں اور سہولتوں کے اعلان کے ساتھ اس بات کی صراحت بھی کی گئی تھی کہ اس یونیورسٹی کا نقطۂ نظر رومن کیتھولک ہوگا، اس یونیورسٹی میں ذریعۂ تعلیم فرنچ زبان ہے۔ لڑکوں اور لڑکیوں کے ۳۳ کالج تو اس سے ملحق باقاعدہ ہیں ہی، ان کے علاوہ ۵۸ تعلیمی ادارے اور ہیں۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

جو اگرچہ باضابطہ ملحق نہیں ہیں، مگر یونیورسٹی کے تسلیم شدہ ہیں، ان کالجوں اور اداروں کے علاوہ خاص یونیورسٹی کے رقبہ (CAMPUS) میں جو لڑکے اور لڑکیاں تعلیم پاتے ہیں ان کی تعداد پچیس ہزار ہے۔ صرف ایک برس یعنی ۶۲-۱۹۶۱ء میں اس کی آمدنی اکہتر لاکھ چون ہزار ایک سو اٹھاسی (71,54,188) ڈالر تھی اور یہ یاد رکھئے کہ کناڈا کا ایک ڈالر ہمارے ہاں کے کم و بیش ساڑھے چار روپے کے برابر ہوتا ہے۔

سر جارج ولیمس یونیورسٹی سنہ ۱۸۷۳ء میں مونٹریل کے نوجوان عیسائیوں کی انجمن (Y.M.C.A) نے بطورِ خود تعلیمی کام شروع کیا تھا، بڑھتے بڑھتے اس نے اتنی ترقی کی کہ سنہ ۱۹۲۹ء میں یونیورسٹی کی شکل اختیار کر لی، لیکن اس کی کلاسیں سب شام کو ہوتی تھیں، سنہ ۳۲ء سے آرٹس، سائنس اور کامرس کی کلاسیں باقاعدہ دن کے اوقات میں بھی ہونے لگیں، اس یونیورسٹی کی آمدنی سنہ ۶۲، ۶۱ء میں دو لاکھ تین سو چھتّر ہزار سات سو چھتّر ڈالر اور طلباء کی تعداد حسب ذیل تھی۔

	پورے وقت کے لئے	کچھ وقت کے لئے
لڑکے	۱,۶۲۷	۳,۲۸۰
لڑکیاں	۴۳۵	۱,۲۲۴
	۲۰۶۲	۴,۵۰۴

لاول (LAVAL) یونیورسٹی یہ یونیورسٹی سنہ ۱۸۵۲ء میں قائم ہوئی تھی، اس میں تعلیم، انتظام اور ڈسپلن ان میں سے ہر چیز کی نگرانی کیوبے (کناڈا کا ایک صوبہ) کے آرک بشپ کے ہاتھ میں ہے جو یونیورسٹی کا وزیٹر کہلاتا ہے، فلسفہ اور دینیات کے لئے اساتذہ کی نامزدگی وزیٹر ہی کرتا ہے، ان دونوں کے علاوہ آرٹس اور سائنس کے جتنے مضامین ہیں ان کے لئے چھوٹے بڑے اساتذہ کا تقرر یونیورسٹی کی کونسل کرتی ہے، سنہ ۶۱ء میں اس یونیورسٹی کی لائبریری میں پونے چار لاکھ کتابیں تھیں، اساتذہ کی تعداد ڈیڑھ ہزار اور طلبا و طالبات کی تعداد بیس ہزار کے قریب تھی،

مک گل یونیورسٹی یہ یونیورسٹی اپنے بانی کے نام سے منسوب ہے جو مونٹریل کا ایک نامی گرامی سوداگر تھا۔ سنہ ۱۸۱۳ء میں جب اس کا انتقال ہونے لگا تو اس نے چھیالیس ایکڑ زمین اور دس ہزار پونڈ (اول تو پونڈ

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

اور وہ بھی اب سے ڈیڑھ سو برس پہلے، حساب لگائیے آج کل کے نرخ سے کتنی رقم ہوئی) کی وصیت اس مقصد کے لئے کی کہ پہلے سے ایک تعلیمی ادارہ جو ROYAL INSTITUTION FOR THE ADVANCEMENT OF LEARNING کے نام سے چلا آرہا تھا اُس کو ترقی دے کر یونیورسٹی بنا دیا جائے، چنانچہ اس سلسلہ میں ۱۸۲۱ء میں ایک فرمانِ شاہی صادر ہوا اور اُس کے بعد ۱۸۲۹ء سے تعلیم باقاعدہ یونیورسٹی کے پیمانہ پر شروع ہوگئی، آغازِ کار میں تعلیم مڈلیسن اور آرٹس تک محدود تھی، لیکن زمانہ کے ساتھ ساتھ یہ بھی ترقی کرتی رہی اور اس میں قسم قسم کی فیکلٹیوں اور اُن کے لئے شاندار عمارتوں کا برابر اضافہ ہوتا رہا۔ ۱۹۰۷ء میں مکڈانلڈ کالج کے نام سے ایک رہائشی کالج زراعت کا قائم ہوا۔ ۱۹۴۵ء سے اس یونیورسٹی کی رفتار ترقی بہت تیز ہوگئی ہے۔ اور نتیجہ یہ ہے کہ آج وہ ایک عظیم الشان بین الاقوامی یونیورسٹی کی حیثیت سے قائم ہے جہاں دنیا بھر کے علوم و فنون کی تعلیم اور ان میں ریسرچ کا اعلیٰ سے اعلیٰ انتظام ہے، یہاں طلبا اور طالبات دونوں کی تعداد ملا کر بیس ہزار کے لگ بھگ ہوگی، اس یونیورسٹی میں ذریعۂ تعلیم انگریزی ہے اور ہمارا انسٹیٹوٹ آف اسلامک اسٹڈیز اسی یونیورسٹی سے متعلق اور اسی کا ایک شعبہ ہے، یہ حال تو صرف ایک شہر کا ہے، پورے ملک میں ۳۳ یونیورسٹیاں ہیں اور ان میں سے ۱۸ یونیورسٹیوں میں دینیات کی فیکلٹی اسی شان کے ساتھ قائم ہے جس شان کے ساتھ دوسری فیکلٹیاں ہیں، یونیورسٹی کا سالانہ بجٹ کتنا ہوتا ہے؟ اس وقت مجھے ٹھیک یاد نہیں، لیکن یونیورسٹی میں اساتذہ اور طلباء کا باہمی تناسب کیا رہتا ہے اور ایک ایک مضمون کی تعلیم پر یونیورسٹی کس فیاضی سے خرچ کرتی ہے اس کا اندازہ اس سے ہوسکتا ہے کہ ہمارے انسٹیٹوٹ میں (جو صرف پوسٹ گریجویٹ تعلیم کا بندوبست کرتا ہے) لے دے کے طلباء اور طالبات کی تعداد پچیس تیس سے زیادہ نہیں ہوگی، لیکن اس کے باوجود اساتذہ کی تعداد بشمول ڈائرکٹر دس ہے جن میں مذہباً چار مسیحی ہیں، پانچ مسلمان اور ایک بدھسٹ، اور وطنی اعتبار سے پانچ امرکین، ایک ترک، ایک انڈونیشی، ایک جاپانی، ایک مصری، اور ایک ہندوستانی۔ تنخواہوں کے گریڈ وہی ہیں جو تقریباً ہندوستان کی مرکزی یونیورسٹیوں میں ہیں، البتہ ڈالر اور روپیہ کا جو فرق ہے وہ ذہن میں رکھئے، اِن دس حضرات کے علاوہ جو باقاعدہ ممبرانِ اسٹاف تھے اور جن کا کام

© rasailojaraid.com